اسلام میں مقامِ اجتہاد اور دائرہ قانون سازی

(جناب مصطفیٰ احمد زرقا پروفیسر قانون اسلامی لا کالج شام)

(یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ کی ایک نشست میں مورخہ ۲ جنوری ۱۹۵۸ء کو یونیورسٹی ہال میں پڑھا گیا۔ ادارہ ترجمان القرآن نے اس کا ترجمہ خود کروایا ہے)

محترم حضرات!

اجتہاد پر گفتگو قدیم اور جدید دونوں حیثیتیں رکھتی ہے۔

وہ ایک قدیم موضوع ہے جس پر ہمارے بزرگوں نے سیر حاصل بحث کی ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی حقیقت، اس کے شرائط اور اس کی ضرورت پر تفصیلی نظر ڈالی ہے بلکہ ان اوصاف کو بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، جن کا مجتہدین میں علیٰ وجہ الکمال پایا جانا ضروری ہے۔ متاخرین ہمیں بتلاتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ اسی قبیل کے دوسرے مباحث بھی ان کے ہاں ملتے ہیں۔

اور جدید ہم اسے اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر ایک نئے اسلوب سے بحث کرنا، اسے ان جدید زاویوں اور گوشوں سے دیکھنا لابد ہے، جن زاویوں اور گوشوں سے اس پر بہت کم نظر ڈالی گئی ہے اپنے اس مقالہ میں جس کے لیے صرف پندرہ منٹ رکھے گئے ہیں، میں اجتہاد کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتا اس لیے چاہتا ہوں کہ اس تنگ وقت میں آپ حضرات کے سامنے اجتہاد سے متعلق صرف چند نئے ملاحظات (REMARK) ایک ایسے جدید زاویے سے پیش کردوں کہ ہم ماضی سے روشنی حاصل کر کے مستقبل کے لیے ایک رستہ تلاش کریں۔

فقہاء کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم | اجتہاد۔ جیسا کہ اس کی فقہی تعریف سے مستفاد ہوتا ہے۔ نام ہے نو بہ نو واقعات و مسائل میں شریعت کے تفصیلی دلائل سے شرعی احکام مستنبط کرنے کا۔

اس مفہوم کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ شریعت میں ہر اُس مسئلہ کا حکم موجود ہے جو وجود میں آسکتا ہے اور اس میں ایسے کافی دلائل پائے جاتے ہیں جو ایک تحقیق شعار مجتہد کی اس شرعی حکم کی طرف رہ نمائی کر سکتے ہیں۔

یہ شرعی دلائل ــــ جیسا کہ علمائے شریعت کے نزدیک معلوم و مبرہن ہے ــــ چار ہیں:

۱۔ نصوصِ قرآن } اپنی دلالت کے تمام وجوہ و اشکال سمیت
۲۔ نصوصِ سنت

۳۔ علمائے اسلام کا اجماع، خواہ وہ کسی دور میں ہو۔

۴۔ قیاس۔

ان چاروں حقیقی دلائل کے ساتھ ساتھ تین ذیلی مآخذ ادر ہیں، جن کا اعتبار کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ استحسان: یہ استثنائی حکم ثابت کرنے کا وہ طریقہ ہے جس میں بوجوہ چند قیاس کے اصول و قواعد سے ہٹ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ استصلاح یا مصالح مرسلہ: یہ وہ قاعدہ ہے جس کی رُو سے ان مسائل میں جن کا دامن مثبت یا منفی نص سے خالی ہے، محض تنظیمی اور اصلاحی ضرورت کے پیشِ نظر شرعی حکم ثابت کیا جاتا ہے۔ اس میں قیاس کے اصول کی مخالفت نہیں ہوتی۔

یہاں ہم ان لوگوں کی رائے سے صرف نظر کرتے ہیں جنہوں نے استصلاح یا استحسان یا قیاس کے اعتبار کو موردِ اختلاف قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ان کی مخالفت نفع و ضرر دونوں سے عاری ہے

۳۔ عُرف: جو نصوصِ شریعت اور اس کے مسلّمہ اصول سے متصادم نہ ہو۔

شرعی دلائل کی اس تحدید اور اجتہاد کے مفہوم کی اس تعیین سے ہمارے لیے آسان ہو گیا ہے کہ ہم اس کی روشنی میں دورِ اجتہاد کا پتہ لگا لیں۔

دورِ اجتہاد | دورِ اجتہاد سے ہماری مراد اس کا وہ وظیفہ ہے، جو اس نے فقہ اسلامی کی بنیادوں کے

استحکام اور اس کے احکام کے انطباق میں پہلے بھی ادا کیا ہے اور آج بھی ادا کر رہا ہے۔

دورِ اجتہاد پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمارے لیے مفید و مناسب ہو گا، اگر ہم فقہ اسلامی میں اس کا صحیح مقام معلوم کر لیں۔

یہاں ہم بہ وثوق کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد کو اسلامی شریعت میں روح کا درجہ حاصل ہے اور فقہ اسلامی میں وہ سرچشمۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ عقل اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ شریعت اجتہاد سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض انجام دے سکے یا اس کے جلو میں ایک ایسا صحت مند اور توانا قانونی مجموعہ مرتب ہو سکے جو استمرار و تسلسل کے ساتھ انسانی ضروریات و مصالح کی تنظیم کرتی رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت میں جب سے شریعت وجود میں آئی ہے، اجتہاد اس کا دمساز رہا ہے۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مسائل میں اجتہاد فرمایا ہے اور آپ کی زندگی اور آپ کی رہ نمائی میں صحابہ کرامؓ نے بھی اکثر معاملات کی گتھیاں اپنے دستِ اجتہاد سے سلجھائی ہیں۔

اس سلسلے میں جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا معلّم اور قاضی بنا کر بھیجا۔ جب وہ روانہ ہونے لگے تو آپ نے دریافت فرمایا:

"معاذ! تم ان کے جھگڑوں کا تصفیہ کیسے کرو گے؟"

عرض کیا: کتاب اللہ سے!

ارشاد ہوا: اگر اس میں نہ ملا؟

بولے: سنتِ رسول اللہ سے!

فرمایا: اگر اس میں بھی نہ ملا، تو؟

جواب دیا: پھر میں اجتہاد سے کام لوں گا اور اپنی سعی کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا (یعنی اجتہاد میں حق و صواب کی تلاش میں اور روحِ شریعت سے قریب تر پہنچنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا)۔

سرکارِ رسالتؐ، یہ جواب سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا: اللہ کا شکر ہے، جس نے اپنے رسولؐ

کے نمائندے کو اپنی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس بات کا ثبوت کہ اجتہاد اسلامی شریعت کی روح اور فقہ اسلامی کی حیات ہے، ہمارے پاس یہ ہے کہ اجتہاد کا اسلام کے مقصد اور اس کی خصوصیات کے ساتھ اتنا محکم، اتنا مضبوط تر ربط ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ شریعت میں اجتہاد کا حقیقی مقام معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے مقصد اور اس کی خصوصیات پر نگاہ ڈالیں تاکہ ان دونوں چیزوں کا اجتہاد سے جو عمیق اور ناقابلِ شکست رابطہ ہے وہ ہم پر واضح ہو جائے۔

اسلام کا مقصد اور اس کی خصوصیات نصوصِ کتاب و سنت کے مطابق اسلام کا مقصد پوری انسانیت کی صلاح و فلاح ہے، جو اس کے تمام انفرادی و اجتماعی حالات کو شامل اور اس کے حال و استقبال کو محیط ہے اور یہی اسلام کے متعلق ایک مسلمان کا عقیدہ ہے جس میں ذرا سی بھی کمی اسلام سے خروج کے ہم معنی ہے۔

اسلام کے اس مقصد سے جو خصوصیات متفرع ہوتی ہیں، وہ یہ تین ہیں:

(۱) آخریت: یعنی آسمانی مذاہب میں اسلام آخری مذہب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں۔ چنانچہ اب نہ کوئی ایسی شریعت آنے گی جو اسلام کو منسوخ کرنے والی ہو اور نہ کوئی نیا پیغمبر ہی مبعوث ہوگا۔

(۲) خلود: یعنی اسلام کی دعوت وقت کی پابندیوں سے ماوراء ہے، مستقبل کی پہنائیوں میں ایسی کوئی حد نہیں، جہاں پہنچ کر اس دعوت کے وجوب کے قدم رک جائیں اور اس کے بعد وہ انسانوں کو آزاد چھوڑ دے کہ وہ اسلامی شریعت کی اتباع و تطبیق کے مکلف ہوئے بغیر اپنی زندگی کی تنظیم خود کریں۔

(۳) اسلامی شریعت کے قانونی نظام میں استیعاب عام: یعنی شریعت کے احکام اور اس کے اصول و قواعد — جن سے اسلام کا قانونی نظام ترکیب پاتا ہے — تمام پیش آنے والے اور ممکن الوقوع مسائل کو محیط ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہے کہ ہر زمانے اور ہر جگہ کی قانونی ضرورتیں

کو پورا کر سکیں۔ اس لیے کہ قواعدِ شریعت میں ایک عمومیت، ایک لچک ہے، اصلی اور استثنائی تدابیر ہیں اور مختلف حالات کی رعایت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت نے فقہ کی کتابوں میں مختلف اور مناسب مقامات پر اس امر کی صراحت کی ہے کہ موجودہ اور آئندہ زمانے میں ایسا کوئی واقعہ ظہور پذیر ہونے والا نہیں ہے، جس کے لیے اسلامی شریعت میں کوئی ایسا حکم نہ ہو جو اپنی بنیاد کسی نص یا کسی قیاس یا کسی اجتہاد پر نہ رکھتا ہو اور اسلام کے پنجگانہ احکام: ایجاب، استحسان، اباحت، کراہت اور تحریم کے تحت نہ آتا ہو۔

میں اس عاجلانہ مقالے میں اس تیسری خصوصیت کی صحت پر دلیل لانے اور اس کی نظیریں پیش کرنے سے صرفِ نظر کروں گا کہ فقہائے اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے اور اپنی جگہ بالکل درست!

نتیجہ | جب اسلام کا مقصد اور اس کے خصائص وہ ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیے تو ہمارا یہ دعویٰ آپ سے آپ ثابت ہو گیا کہ اجتہاد اسلامی شریعت میں روح کا درجہ رکھتا ہے اور وہ فقہ اسلامی کا سرچشمۂ حیات ہے۔ اس لیے کہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ یہ شریعت ایک طرف تو آخری اور سرمدی ہو، اس میں ہر موضوع، ہر پیش آنے والے مسئلہ اور ہر ممکن الوقوع حادثہ کے لیے احکام ہوں اور دوسری طرف اس کی آغوش ایک قائم و دائم اجتہاد سے خالی ہو۔

علامہ شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں فرماتے ہیں:

"عبادات و معاملات میں واقعات اس کثرت سے رونما ہوتے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بہ طور یقین جانتے ہیں کہ ہر واقعہ میں نص موجود نہیں ہے اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ پس جب نصوص محدود ہیں اور واقعات نامحدود اور محدود کسی نامحدود کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکتا تو قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ قیاس اور اجتہاد کا اعتبار ضروری ہے تاکہ ہر نئے واقعہ کے لیے اجتہاد کیا جا سکے۔"

متذکرہ بالا صراحت نے واضح کر دیا کہ اجتہاد کا توقف اسلامی شریعت کے خصائص سے کسی عنوان

میل نہیں کھاتا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو مختلف زمانوں میں اور مختلف مقامات پر نئے نئے حالات، نئی نئی ضرورتیں اور ایسی ایسی مشکلیں پیش آتی رہیں گی، جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انہیں شریعت کی نصوص اور اس کی روح سے اخذ کردہ مناسب حل کی ضرورت پڑے گی۔

ان حالات میں اجتہاد کے توقف کے معنی یہ ہوں گے کہ فقہ اسلامی جمود و تعطل کا شکار ہو گئی اور وہ نئے مسائل اور جدید مشکلات کا شرعی حل پیش نہیں کر سکتی۔ اور یہ ایسی بات ہے جو خصائص خلود کے بھی منافی ہے اور شریعت میں تمام حوادث و واقعات کا شافی جواب دینے کی جو صلاحیت ہے اس کی بھی نفی کرتی ہے۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں ہم اجتہاد کو دو زمانی حصوں پر تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(۱) اجتہاد کا گذشتہ دور

(۲) اجتہاد کا آنے والا دور

اور یہ دونوں دور، طبعی طور پر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

اجتہاد کا گذشتہ دور: اجتہاد نے شریعت کی خدمت اور فقہ اسلامی کے عظیم الشان محل کی تعمیر میں اپنے فرائض بڑی خوبی سے ادا کیے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا، اجتہاد نے اُسے بااحسن وجوہ پُر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد احکام سے متعلق قرآن کی جو آیات چھوڑیں، ان کی تعداد چند سو بکڑوں سے آگے نہیں بڑھتی اور یہی حال ان احادیث کا ہے، جو احکام پر مشتمل ہیں۔ لیکن اپنی اس قلتِ تعداد کے باوجود ان نصوص میں وہ لچک، وہ عمومیت وہ ہمہ گیری، وہ قوتِ تعلیل اور مستحکم و لافانی بنیادوں پر استوار وہ قانونی اصول و مبادی ہیں جنہوں نے اپنے قانونی نظریات و قواعد اور دانشمندانہ احکام کی فراوانی کے سبب فقہ و اجتہاد کی امداد و اعانت کے لیے ایک ٹھوس اور پائیدار اساس کا کام دیا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید کا ارشاد: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا فرمان : لاضرر ولاضرار

ضرار کے معنیٰ ہیں نقصان کے بدلے کسی کا نقصان کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کا مال تلف کر دیا ہے تو جواب میں اس کا مال تلف کرنا جائز نہیں، بلکہ تلف شدہ مال کا معاوضہ وصول کرنا چاہیے۔

ابتدائی تین صدیوں میں صحابۂ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور تبع تابعین میں سے جزیرۃ العرب ہی میں نہیں، بلکہ تمام مفتوحہ ممالک میں اس کثرت سے مجتہدین پیدا ہوئے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ہر مجتہد، نصوص کے فہم و ادراک، احکام کی تخریج و استنباط اور انہیں جدید حالات پر منطبق کرنے میں اپنا ایک جدا اصول اور اپنی ایک الگ روش رکھتا تھا، البتہ ان اصولوں میں وہ کبھی آپس میں متفق ہو جاتے اور کبھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے۔

اس طرح ان ابتدائی تین صدیوں میں جتنی کثرت سے یہ مجتہدین پیدا ہوئے اتنی ہی کثرت سے اجتہادی مذاہب وجود میں آئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مجتہد کا اپنا الگ طریقِ فکر و نظر ہوتا تھا، جو تمام مسائل میں اس کی فقہی رایوں اور اجتہاد سے تدوین و تشکیل پاتا تھا۔ یعنی ہر مذہبِ فکر تمام مباحث و فصول میں ایک مکمل شرعی قانون مرتب کرتا تھا۔

ان میں سے بہت سے مذاہب اپنے اپنے مجتہد کی وفات کے ساتھ محو ہو گئے اور ان کے صرف چند بچے کھچے دھندلے سے نقوش رہ گئے جو کتبِ اختلاف میں بکھرے پڑے ہیں، لیکن بعض مذاہب کو ایسے تلامذہ میسر آ گئے جنہوں نے اپنے امامِ مذہب سے جو کچھ سنا، اس کی داشت و پرداخت کی، اسے کتابوں کی صورت میں مدون کیا اور اس کی ترویج و اشاعت میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ان مذاہب کو قبول کر لیا اور انہیں کمال و دوام حاصل ہو گیا۔ لوگوں نے صدیوں ان کی خدمت کی اور انہیں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ یہ مذاہب آج مذاہبِ اربعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پھر چونکہ یہ اجتہادی مذاہب مکمل ہو کر رواج پذیر ہو گئے تھے، ان کی اپنی اپنی فقہ میں کتابیں مدون ہو چکی تھیں اور امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ لوگ رفتہ رفتہ علومِ شریعت اور علمِ لغت میں — جو مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنے کا ضامن ہے — تبحر حاصل کرنے سے دور ہوتے جا رہے تھے، اس لیے

ان مذاہب کے متبعین کی کثرت ہوگئی اور لوگ انہی کی تقلید پر تکیہ کرنے لگے تا آں کہ سلطنتِ عباسیہ کے زمانۂ عروج میں دنیائے اسلام کا کوئی حصّہ ایسا نہ تھا جہاں ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کی سیادت اور اس کے اپنے قاضی اور اپنے مفتی نہ ہوں۔

پھر ان مذاہبِ اربعہ کے ماننے والے بڑے بڑے علماء نے تفریع و توسیع اور تخریج و تالیف کے انبار لگا دیئے، جس سے متبعین نے سمجھ لیا کہ اب کافی مواد جمع ہوگیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اجتہادِ مطلق کی صلاحیتیں نادر و کم یاب ہوگئی تھیں، اور اندیشہ تھا کہ کہیں جمہور امت میں حقیقی اجتہاد کو جانچنے کی صلاحیت کمزور نہ پڑ جائے ایک نااہل اجتہاد کا دعویٰ لے کر اُٹھے اور لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر ان کا دین فاسد کر دے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔

لیکن ان مذاہب کے اصول کے تحت ایک مفید تحریک چلتی رہی۔ مختلف زمانوں میں علمائے کرام نے اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے جدید مسائل کے اجتہادی حل پیش کیے جن میں قیاس یا استحسان یا مصالح مرسلہ کے قاعدہ کو بنیاد بنایا گیا تھا۔

چنانچہ پانچویں صدی ہجری میں اسی طریق سے کام لے کر حنفی مذہب میں سود کے اشکال سے بچنے کے لیے بیع الوفا کے احکام وضع کیے گئے اور مختلف مذاہب کے متاخرین فقہاء نے قرض خواہوں کی رضامندی کے بغیر اس مقروض کا وقف اور دوسرے تمام تصرفات ممنوع قرار دے دیئے، جس کے تمام مال پر قرض کی رقم حاوی ہو تاکہ وہ قرض خواہوں کا مال وقف یا ہبہ یا اسی طرح کی دوسری صورتوں سے ہضم نہ کر سکے یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے مسائل ہیں، جو استحسان کے ذریعے حل کیے گئے۔

لیکن مذاہب کے تحت یہ مقید اجتہاد بھی وقت کے ساتھ ساتھ تحلیل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انجام کار فقہ اسلامی جدید تیجہ آفرینیوں کے اعتبار سے بالکل بانجھ ہوگئی اور فقہاء کا کام صرف یہ رہ گیا کہ جو مسائل فقہی کتابوں میں درج ہیں انہیں طوطے کی طرح رٹ لیں انتہا یہ ہے کہ جو لوگ آج عالم یا فقیہ کہلاتے ہیں، انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ فقہ کا مطالعہ کرتے وقت مذہبی احکام و آراء کے دلائل ہی تلاش کر لیں۔

اس مختصر سے تاریخی جائزے سے، جو ہم نے پیش کیا، اس امر کی ایک اور نئی دلیل ہمارے سامنے

آگئی کہ اجتہاد شریعت کی روح اور فقہ اسلامی کی حیات ہے۔

یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عثمانی سلطنت کے آخری دنوں میں دنیادار حاکموں نے یہ سمجھ لیا کہ شریعت اور اس کی فقہ زمانے کی تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور جدید عصری تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ چنانچہ انھوں نے اجنبی قانون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فقہ اسلامی علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے کتاب خانوں میں دفن ہو کر رہ گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس نتیجے کے ابتدائی آثار حافظ ابن قیمؒ کے زمانے ہی سے ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے اس لیے کہ انھوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" اور "اعلام الموقعین" میں نہایت پاکیزہ اور صحت مند بحث کی ہے۔ علامہ موصوف نے اپنی ان کتابوں میں مختلف مذاہب کے مقلدین کو ان کے جمود اور شریعت کے سرچشموں کو تنگ اور خشک کرنے پر ٹوکا ہے، جس کی وجہ سے مسلمان حکمران، ضروریات کی تکمیل کے لیے، اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ فقہی احکام کی تدوین و کتابت اب ختم ہو چکی تھی۔ حالانکہ یہ تنگی شریعت غرا میں نہیں، ان اتباع مذاہب کی خود اپنی عقلوں میں تھی۔

ان حقائق کے بعد ایک صاحبِ فکر ناظر کو صاف نظر آجاتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے سے اسلامی شریعت اور اس کی جلیل الشان فقہ پر کتنی بڑی افتاد پڑی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب تک اسلام کی خصوصیات، اجتہاد کی متقاضی ہیں، دنیا کی کوئی قوت اس کا دروازہ بند نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ مذاہب اربعہ کے اربابِ تقلید میں سے روشن خیال متاخرین نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ "اگر آج بھی کوئی شخص اپنے علم کی بنا پر مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہو جائے اور اس کی شرطوں اور صلاحیتوں سے بہ حدِ وافر بہرہ مند ہو، تو اس کے لیے مروجہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی پیروی جائز نہیں"۔ لیکن عملاً وہ کسی کے اس مرتبۂ بلند پر فائز ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں اجتہاد کا دروازہ کھل تو سکتا ہے، لیکن اس کی کنجی کھو گئی ہے۔

علامہ عزالدین بن عبدالسلام جو ساتویں صدی ہجری کے مشہور و ممتاز شافعی فقہاء میں سے ہیں، فرماتے

ہیں:

"اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے متعلق علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں . . . . یہ تمام اقوال فاسد و بے بنیاد ہیں۔ اگر آج بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے، جس میں کوئی نص نہ ملے، یا اس کے بارے میں سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہو تو لازمی طور پر اسے کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد ہی سے حل کیا جائے گا۔ اس کے سوا کوئی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ہذیان کا مریض ہو۔"

اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے پر نہیں، اس کا سلسلہ رک جانے ہی پر سہی، منصفانہ حکم لگانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک تحلیلی نظر ڈالیں، جس سے ماضی میں اجتہاد کا مزاج اور اس کی فطرت ہم پر واضح ہو جائے۔

ماضی میں اجتہاد کا مزاج اور اس کی فطرت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اجتہاد پر شورائی اثر غالب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اہم مسائل میں چاہے وہ حقوق سے متعلق ہوتے، یا سیاست سے، صحابہ کرامؓ کو جمع کرتے اور ان کے صلاح مشورے سے پیش آنے والے مسئلہ کا شرعی یا سیاسی حل تلاش فرماتے۔ اس سلسلہ میں اُن کا طرزِ عمل اس نص قرآنی کے عین مطابق تھا جو انہیں بلا تخصیص ہر معاملہ میں مشورہ کرنے کی ہدایت کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے بھی مطابقت رکھتا تھا، جو حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ نے سرکارِ رسالت علیہ التحیۃ والتسلیم سے دریافت کیا کہ اگر کسی مسئلہ میں مسلمانوں کو کتاب و سنت میں کوئی نص نہ ملے تو وہ کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: "علماء کو جمع کرو اور کسی انفرادی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔"

اس کے بعد جو دور آیا اس میں اجتہاد پر انفرادی رنگ غالب آگیا اور ہر مجتہد اجتہادی مسائل میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے لگا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے تھے اور ان کا مشورے کے لیے کسی ایک جگہ جمع ہونا دشوار ہو گیا تھا۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں چونکہ لوگ ظہورِ اسلام سے قریب العہد تھے۔ اس لیے ان کے دلوں میں

؎ دیکھیے، استاد عبدالوہاب الخلاف کا رسالہ "الاجتہاد والتقلید" صفحہ ۱۶

اس کا اثر تازہ اور گہرا تھا اور تیسری صدی ہجری تک احادیثِ رسولؐ، روایت اور شخصی ملاقات کے ذریعے نقل ہوتی تھیں۔ اکثر و بیشتر لوگ قرآن و حدیث اور فقہ و لغت کی تحصیل میں ذہن کی پوری توانائی کے ساتھ ذوق و شوق سے حصہ لیتے تھے اور علم کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیتے تھے۔ اس لیے ثقہ اور پرہیز گار عالم دوسروں کے مقابلہ میں بآسانی پہچان لیا جاتا تھا۔

پھر جب زمانے نے لوگوں کو عہدِ رسالت سے ــــ جو درحقیقت اسلام کی مشعل تھا ــــ دُور کر دیا، معاشرے میں سے ایک حقیقی اور نمائشی عالم کی تمیز اٹھ گئی اور لیاقت و پرہیز گاری کی درخشانی دھندلا گئی تو مذاہبِ اربعہ کے متبعین کو چوتھی صدی ہجری میں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ مبادا کوئی اجتہاد کا دعویٰ لے کر اٹھے اور بدعتوں کی اشاعت، زہریلے خیالات و نظریات کی ترویج اور شریعت کے اصول و قواعد میں فساد پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔ اِدھر انھوں نے دیکھا کہ رائج الوقت مذاہب کی تفریعات کافی و وافی ہیں اور ان حالات کے پیشِ نظر بابِ اجتہاد کو بند کر دینے کا فتویٰ صادر کر دیا۔

ماضی میں اجتہاد کے مزاج و فطرت کے اس تجزیہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی تاسیس کے ابتدائی دور میں، اُس عہد کے مجتہدین کی کوششوں سے انفرادی اجتہاد نے اس امت کو خیر و برکت سے مالا مال کر دیا۔ اس لیے کہ ان کے تمام عزائم کشتِ شریعت کو بونے جوتنے اور اسے زرخیز بنانے کے لیے وقف ہو گئے۔ اساطینِ علم نے قواعد کے استنباط کا مقدس فریضہ انجام دیا اور شریعت کے نصوص و قواعد کی روشنی میں فقہ اسلامی میں قانونی نظریات کی بنیاد ڈالی، یہاں تک کہ فقہ کا ایک عظیم الشان قیمتی سرمایہ فراہم کر دیا، جس میں اصول و نظریات بھی ہیں اور بے شمار فروعی احکام بھی۔ اور انھوں نے کبھی نہ خشک ہونے والا ایسا چشمہ بنا دیا ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ اگر ابتدائی تین صدیوں میں یہ انفرادی اجتہاد نہ ہوتا تو ہم کبھی یہ فقہی ثمرات و نتائج حاصل نہ کر سکتے۔

پھر یہ بھی بہتری اور دانش مندی کی بات تھی کہ اس کے بعد اُن خطرات کے پیشِ نظر، جو اس انفرادی اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنے کی صورت میں نظر آ رہے تھے، اجتہاد کے دروازہ کو بند کر دیا جائے تاکہ بات بگڑنے نہ پائے۔ لیکن اس دروازے کو بالکل بند کر دینا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ

اسلامی شریعت اور اس کی فقہ جمود کا شکار ہو گئی ہے، وہ وقت کی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہے اور اس میں زندگی کے آثار مفقود ہو گئے ہیں۔ اس سبب ضروری تھا کہ اجتہاد کے مفاسد کا علاج اجتہاد کی تحریم سے نہ کیا جاتا بلکہ اس کی تنظیم کی جاتی اور اسے افراد کے ہاتھوں سے نکال کر جماعت کے سپرد کر دیا جاتا۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جو ہمیں آنے والے دور میں اختیار کرنا چاہیے۔

اجتہاد کا آنے والا دور ماضی میں اجتہاد کے متعلق جو غلطی ہوئی، اس کا علم ہو جانے کے بعد اب وہ طریق کار پوری وضاحت کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آ گیا، جو مستقبل میں ہمیں اجتہاد کے لیے اپنانا چاہیے۔

بلاشبہ انفرادی اجتہاد ماضی کی ایک ضرورت تھی، لیکن آج وہ ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ کیوں کہ جو خطرات کل تک واہمہ کی حیثیت رکھتے تھے، جن کے پیش آنے کا خوف چوتھی صدی ہجری میں دامن گیر تھا اور جن کی وجہ سے فقہائے مذاہب نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا تھا، وہ آج ایک امر واقعی بن گئے ہیں۔

آج دین کے سوداگروں کی ریل پیل ہے اور غالباً ان میں سے اکثر نیکوکار اور خدا ترس علماء کے مقابلہ میں زیادہ وسیع العلم اور زیادہ سحر بیان بھی ہیں۔ آج ادھر کے بعض ایسے فارغ التحصیل بھی دیکھنے میں آتے ہیں، جنہوں نے ایسی گمراہ کن کتابیں اور ضلالت آفریں فتوے لکھے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین نے اپنے علم کو دشمنانِ اسلام کے تصرف میں دے دیا ہے اور وہ قصر اسلام کے ستونوں کو خود اس طرح ڈھا رہے ہیں کہ اسلام کے دشمن کبھی نہ ڈھا سکتے۔ اب یہ لوگ یا تو دین سے خارج ہیں، یا اجتہاد اور حریتِ فکر کی ٹٹیوں کی آڑ میں شکار کھیلنے والے خائن و منافق!

اس کے علاوہ وہ بڑی بڑی مادی منفعتیں حاصل کر رہے ہیں، دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے ہیں اور خدا کی لعنت کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

پس اگر ہم شریعت کی روح اور فقہ اسلامی کی زندگی کو اجتہاد کے ذریعہ واپس لانا چاہتے ہیں اور اس کا امت میں جاری رہنا واجب سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہی وقت کی بے شمار مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے شرعی حل پیش کرنے کا تنہا رستہ ہے، —— وہ شرعی حل، جن میں تحقیق کی گہرائی اور دلیل کی پختگی ہو، جو ہر قسم کے شکوک و شبہات اور طعن و تشنیع سے دور ہوں اور جن میں تقلیدی لاشوں اور

حق سے بغاوت کرنے والی عقلوں کا سر کچلنے کی یکساں صلاحیت ہو، تو اس کا بس ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ اجتہاد کی بنیاد ایک نئے اسلوب سے رکھی جائے، یعنی انفرادی اجتہاد کی جگہ اجماعی اجتہاد کو دے دی جائے اور اس طرح ہم اجتہاد کو اس کے پہلے مقام پر لے آئیں، جہاں وہ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مبارک دور میں تھا۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے علمی اور لغوی اداروں (اکیڈمیوں) کی طرح ہم فقہ اسلامی کا ایک ادارہ قائم کریں، جس میں تمام اسلامی ممالک کے وہ مشہور و پختہ کار فقہاء شریک ہوں، جو شرعی علوم کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کی روشنی سے بھی بہرہ مند ہوں اور جن میں سیرت و کردار اور صلاح و تقویٰ کی بھی تمام خوبیاں موجود ہوں۔

اس کے ساتھ ہی جدید علوم و فنون مثلاً اقتصادیات و اجتماعیات اور قانون و طب وغیرہ کے راسخ العقیدہ مسلمان ماہرین بھی اس ادارے میں شامل کیے جائیں تاکہ فقہاء فنی معاملات میں ان کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس فقہی ادارے کے تمام ارکان باقی اور مشاغل سے فارغ ہونے چاہئیں۔ ان کے لیے ایک وسیع کتب خانہ فراہم کیا جائے۔ . . . . اور ان کے لیے اقتصادی فراغت کا اہتمام ہو تاکہ وہ طمانیتِ خاطر کے ساتھ اپنے موضوع — اجتہاد — کا مطالعہ کریں اور وقت کے ہر اس دشوار مسئلہ پر جو ان سے بحث و تحقیق کا طالب ہو، اسلامی احکام منطبق کرنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ اسی طرح ان کے تحقیقی مقالات کی اشاعت کے لیے ایک ماہنامہ جاری ہونا چاہیے۔ اور فقہ اسلامی کا ایک مبسوط مجموعہ بھی، دوسری قوموں کی انسائیکلوپیڈیا کے طرز پر مرتب ہونا ضروری ہے۔ نیز اس ادارے کو مختلف فقہی مذاہب کی اہم کتابوں کی ایک نئی فہرست، بترتیب ابجد شائع کرنی چاہیے تاکہ محققین بغرض استفادہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکیں۔ اس کے علاوہ اور بھی فقہی خدمات ہیں، جن کی اجتہاد کے سلسلے میں عصر حاضر کو ضرورت ہے۔

یہ اسکیم بہت بڑے سرمائے کی محتاج ہے، جس کے حصول کی بس یہ دو صورتیں ہیں:

۱۔ تمام مسلمان قوموں سے چندہ کے طور پر یہ سرمایہ حاصل کیا جائے ــــ لیکن موجودہ حالات میں یہ ناممکن ہے ــــ اس لیے کہ عوام اس کی اہمیت سے بے خبر ہیں اور مہذب طبقہ اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔

۲۔ ایک یا چند اسلامی حکومتیں اس اسکیم کو اپنا لیں اور اس کے لیے اپنے بجٹ میں رقم مخصوص کریں۔

اس قسم کا فقہی ادارہ قائم کرنے کی تجویز ان دو اسلامی کانفرنسوں میں منظور ہو چکی تھی جو ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے دارالحکومت کراچی میں منعقد ہوئی تھیں اور جن میں مَیں نے بھی شرکت کی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ تجویز فقدان وسائل کے سبب روبہ عمل نہ آسکی اور کاغذ پر سیاہی کے خطوط و دوائر سے آگے نہ بڑھی۔ اس لیے کہ موجودہ زمانے کی اسلامی حکومتیں ــــ افسوس ہے کہ ــــ اور تمام مدّوں میں روپیہ خرچ کر سکتی ہیں اور نہیں کر سکتیں تو صرف اسلام کی مد میں۔ سچ فرمایا ہے خدائے بزرگ و برتر نے اپنے اس ارشاد میں:

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔